نثار احمد فاروقی

چشتی تعلیمات

اور عصر حاضر میں ان کی معنویت

چشتی تعلیمات کا مقصد:

ہندوستان میں تصوف کے کئی خانوادے سرگرم عمل رہے ہیں، مگر سب سے زیادہ اثر و نفوذ چشتی سلسلے کو حاصل رہا ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ (ف ۶۳۴ھ) کے قدوم مبارک کے ساتھ یہ فیضان اس سرزمین میں آیا تھا اور اس زمانے سے آج تک سلسلۂ چشتیہ میں باکمال بزرگوں کا ظہور ہوتا رہا ہے۔

اخلاقی زندگی کے دو پہلو ہیں اور اسلام کے مشن کا خلاصہ بھی یہی دو لفظ ہیں: "تحسین علاقتہ الانسان باللہ" (انسان کا اپنے اللہ سے بہتر رشتہ قائم کرنا) اور "تحسین علاقتہ الانسان بالانسان" (ایک انسان کا دوسرے انسان سے بہتر رشتہ قائم کرنا)۔ ایک پہلو سے حقوق اللہ کے ادا کرنے کی تاکید ہے اور دوسری شق میں حقوق العباد سے عہدہ برآ ہونے کی۔

چشتی صوفیائے کرام نے اپنی خانقاہوں کا تربیتی نظام اسی اصول کے تحت بنایا تھا[۱] کہ عوام کو اخلاقی درس کتابوں سے نہیں "عمل" سے دیا جائے۔ چنانچہ حضرت شیخ نظام الدین نے فرمایا ہے کہ علماء جو کچھ زبان سے کہا کرتے ہیں، مشائخ اسی کو عمل میں "دکھاتے" ہیں[۲] یعنی پند و نصیحت "لسان حال" سے موثر ہوتی ہے۔ لسان حال نہ ہو تو لسان قال سے کچھ نہیں ہوتا۔[۳] قرآن نے اسی بات کو یوں کہا ہے:

"مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا۔" (سورۂ جمعہ:۵)

"وہ لوگ جنہیں تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا' ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوتی ہیں (لیکن ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا)۔"

شیخ سعدی کے لفظوں میں:

علم ہرچند بیشتر خوانی چوں عمل درتو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانش مند چارپائے برو کتابے چند

اس لحاظ سے تصوف کی روح عین اسلام کی روح ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔"

میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔

یہ مکارم اخلاق کیا ہیں؟ علماء ان سے واقف ہیں اور صوفیاء ان کے حامل ہیں۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کا لطیفہ فوائد الفواد[۴] میں ہے کہ بوعلی سینا ان سے مل کر گئے تو کسی نے پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ شیخ نے کہا: "مکارم اخلاق ندارد۔" بوعلی سینا کو بھی خبر لگ گئی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے مکارم اخلاق کے موضوع پر ایک پوری کتاب تصنیف کی ہے۔ شیخ ابوالخیر نے فرمایا: "میں نے یہ کب کہا تھا کہ مکارم اخلاق نداند۔ یہ کہا تھا کہ مکارم اخلاق ندارد۔"

جو علم مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے' وہ کیا ہے: نظریات' مباحث' اشکال' قواعد' صرف' نحو' تاویل' کلام۔ مگر یہ سب کا علم "ظاہر" ہے جسے صوفیا "حجاب" کہتے ہیں۔[۵] پھر اس کا "باطن" کیا ہے؟ باطن وہ ہے' جسے صوفیا "عشق" کہتے ہیں۔ "علماء اہل عقل اند و درویشاں اہل عشق۔"[۶] چنانچہ

عشق را بوحنیفہ درس نگفت
شافعی را در و روایت نیست[۷]

یہ علم کے مقابلے میں عمل[۸] ہے عقل کے مقابلے میں جذبہ ہے۔ یہی دین کا قلب ہے' روح ہے' اساس اور غایت ہے۔ یہ علم ظاہر سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔ امام غزالی نے مدرسۂ نظامیہ بغداد کی ملازمت سے استعفا دے کر راہ سلوک طے کی تھی اور اپنے تجربات کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"ان الصوفيه هم السالكون لطريق الله تعالى خاصه وان سيرتهم احسن السير وطريقهم اصوب الطريق واخلاقهم ازكى الاخلاق بل لوجمع عقل العقلاء وحكمه الحكماء وعلم الواقفين على اسرار الشرع من العلماء ليغيروا شيئا من سيرهم واخلاقهم ويبدلوه بما هو خير منه لم يجدوا اليه سبيلا۔ فان جميع حركاتهم وسكناتهم فى ظاهرهم وباطنهم مقتبسه من نور مشكوه النبوه وليس وراء نور النبوه على وجه الارض نور يستضاء به۔"[۹]

"صوفیائے کرام خاص طور سے اللہ کے راستے پر چلنے والے ہیں اور ان کی سیرت سب سے اچھی اور ان کا راستہ سب سے سیدھا اور ان کے اخلاق بہترین اخلاق ہیں بلکہ اگر سارے دانشمندوں کی عقل اور فلسفیوں کا فلسفہ اور اسرار شرع کے جاننے والے علماء کا علم جمع کر لیا جائے تا کہ ان کی سیرت یا اخلاق میں کچھ تبدیلی کر دیں یا اسے بہتر چیز سے بدل دیں تو انہیں اس کی گنجائش نہیں ملے گی۔ کیونکہ ان کی سب

حرکات و سکنات' ظاہر میں اور باطن میں' چراغ نبوت کے نور سے
حاصل کی گئی ہیں اور روئے زمین پر نور نبوت کے سوا اور کوئی نور ایسا
نہیں ہے جس سے روشنی اخذ کی جاسکتی ہو۔"

اسی لیے مدرسے میں پڑھائے جانے والے علوم کے لیے اصطلاح "علوم ظاہر" کی اور خانقاہ میں دکھائے جانے والے عمل کے لیے "علوم باطن" کی استعمال ہوتی ہے۔ حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ جب کوئی علم حاصل کرتا ہے تو اسے ایک شرف نصیب ہوتا ہے اور عبادت کرتا ہے تو صلاح ملتی ہے۔ یہاں شیخ کی ضرورت ہے' "تا ہر دو را بشکند یعنی علم و عمل را از نظر او فرود آرد تا بعجب مبتلا نشود۔"(۱۰)

اس لیے مدرسۂ عشق میں داخلے کا اصطلاحی نام "ارادت" یا بیعت ہے۔ اور طالب علم کو "مرید" کہتے ہیں۔ "بیعت" ایک عام اصطلاح ہے۔ یہ ایک معاہدہ یا اقرار ہے جو پیر کے ہاتھ پر ہوتا ہے مگر "آن عہد(۱۱) بہ خداوند است" اور یہ کسی بھی مقصد کے لیے ہو سکتا ہے۔ جیسے بیعت توبہ' بیعت جہاد' بیعت خلافت وغیرہ۔ مگر ارادت بقول علامہ عبدالکریم قشیری (متوفی: ۴۶۵ھ) نہوض القلب فی طلب اللہ (طلب خدا میں دل کا بیدار ہونا) ہے۔ اور اس کا مفہوم اتنا عام نہیں ہے۔ "مرید" کے معنی ہیں ارادۂ شیخ کو اپنا بنا لینے والا۔ اسے "وحدت مطلب" بھی کہتے ہیں۔(۱۲) حافظ نے کہا ہے:

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

یہاں نہ چون و چرا ہے' نہ منطق اور استدلال' بلکہ مکمل تسلیم اور سپردگی ہے کیونکہ محبت ہی مایۂ درویشی ہے اور محبت کا اقتضاء متابعت کاملہ ہے۔(۱۳)

"ہر چہ پیر فرماید مرید را باید کہ ہمان بکند۔"(۱۴) یعنی پیر کو اپنا حاکم مطلق بنا لیا جائے مگر "سالک بے خبر نبود" میں یہ نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ پیر کا حالت صحو میں اور عالم شرع ہونا

ضروری ہے تاکہ وہ نامشروع باتوں کا حکم نہ دے۔[۱۵] حضرت چراغ دہلیؒ نے بڑی قیمتی بات کہی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی مقام حقیقت سے گرے گا تو طریقت میں رہے گا۔ طریقت سے ساقط ہو گا تو بارے شریعت میں رہے گا لیکن اگر شریعت سے بھی پاؤں پھسلا تو اس کا ٹھکانا کہاں ہے؟ ایک شخص حضرت چراغ دہلیؒ کا مرید ہوا اور آپ سے وصیت طلب کی۔ فرمایا "وصیت ہمیں است کہ آنچہ خدا و رسول خدا منع کردہ است آن نکنی۔"[۱۶]

ارادت دو طرح کی ہوتی ہے: ایک رسمی' دوسری حقیقی۔ رسمی تو یہ ہے کہ مرید کو نیک کاموں کی تلقین کر دی جائے' یا کچھ اوراد و وظائف بتا دیئے جائیں وغیرہ' اور حقیقی ارادت یہ ہے کہ مرید ہمہ وقت شیخ کی خدمت میں رہے یا شیخ اس کے ساتھ رہے۔[۱۷] "تصور شیخ" کا جواز یہیں سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ جہاں پیر جسمانی طور پر موجود نہ ہو وہاں اسے "روحانی" طور پر شاہد سمجھا جائے۔[۱۸] شیخ اپنے مرید کے احوال کی نگرانی کس طرح کرتا ہے' اس کا ایک واقعہ فوائد الفواد میں موجود ہے۔[۱۹]

پیر کی ذمہ داری بھی کسی طرح کم نہیں ہے۔ اسے مرید کے اعمال کا نگراں بنایا گیا ہے تو "ہرچہ آن مرید کند فردا آن عمل در پلہ پیر او نہند"[۲۰] (جو کچھ وہ کرتا ہے' قیامت کے دن اس کا عمل پیر کے پلے میں رکھا جائے گا۔)

اسی ذمہ داری کی وجہ سے ارادت کا عالم ظاہر میں اور شیخ کا بقید حیات ہونا ضروری ہے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے ایک صاحبزادے نے دہلی آکر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمتہ کے مزار سے بیعت کر لی تھی۔ بابا صاحبؒ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ قطب صاحب میرے شیخ ہیں' ان کا احترام اور محبت بجا ہے مگر بیعت کا عالم ظاہر میں ہونا ضروری ہے۔ مزار سے نہیں ہو سکتی۔[۲۱]

ارادت کا اظہار کرنے پر ایک انسان خانقاہی نظام تربیت سے متعلق ہو جاتا ہے۔ گویا اس نے ایک ایسی یونیورسٹی میں داخلہ لیا ہے' جہاں کتابی علم نہیں بلکہ کتابی عمل پڑھایا بلکہ

کر کے دکھایا جائے گا اور اس نصاب کی تکمیل کے بعد اسے سند فراغ ملے گی جسے صوفیاء کی اصطلاح میں "اجازت نامہ" کہتے ہیں۔

یونیورسٹی میں آج بھی فارغ التحصیل طلبہ کو سند دیتے وقت گاؤن (Gown) اور ہڈ (Hood) پہنایا جاتا ہے۔ خانقاہ کا گاؤن خرقہ ہے اور ہڈ کلاہ نمد[۲۲] یا "کلاہ چہار ترکی" ہے۔ یہ گاؤن تو آج یونیورسٹیوں میں ہر سال لاکھوں طالب علم پہن کر سند لیتے ہیں مگر مشائخ کا خرقہ کتنی کڑی شرائط کے ساتھ ملتا ہے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ بدایوں کے ایک شخص عزیز بشیر دہلی آئے تاکہ قاضی حمید الدین ناگوری کے فرزند مولانا ناصح الدین ناگوری سے خرقہ حاصل کریں۔ یہاں حوض شمسی کو دیکھ کر انہوں نے کہا کہ بدایوں میں جو "حوض ساغر" ہے' وہ اس سے بڑی ہے۔ اس وقت شیخ محمد کبیر بھی موجود تھے۔ انہوں نے مولانا ناصح الدین سے کہا کہ یہ شخص "گزاف گو" ہے' اسے خرقہ نہ دیا جائے۔[۲۳]

چشتی ملفوظات میں بار بار اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ خرقہ "پردہ پوش" کی علامت ہے جو حق تعالیٰ کی صفت ہے۔[۲۴] درویش کو اس صفت کی بہت ضرورت ہے کیونکہ وہ نفس اور قلب کے امراض کا طبیب ہوتا ہے۔ اسے نفس کی بیماریوں کا اسی طرح علم ہوتا ہے' جیسے امراض جسمانی کی کیفیت کا کسی معالج کو ہونا چاہیے۔

خانقاہی تربیت کا نصاب:

اب نصاب تربیت ملاحظہ فرمایئے: یہ ایسے اصولوں پر بنایا گیا ہے کہ مرید کی شخصیت کو خاص نظم کے ساتھ بتدریج تعمیر کرتا رہے۔ انسان کو "حیوان ناطق" کہا جاتا ہے اور اکثر حالات میں صرف "نطق" ہی اسے حیوانوں سے ممتاز کرنے والا رہ گیا ہے۔ اگرچہ اسے نطق سے بھی وہ وہ آفتیں ملتی ہیں کہ "در گفتن نمی آید---"

نفس کشی:

بہیمیت انسان کی جبلت ہے جو بدلتی نہیں' پوشیدہ ضرور ہو جاتی ہے۔ اس پر تہذیب و شائستگی یا تصنع اور منافقت کے پردے پڑ جاتے ہیں' تہذیب بھی کیا ہے۔ بقول برنارڈشا:

The more you are ashamed of doing a thing the more you are civilized.

مگر جو ظلم اور بہیمیت سرشت میں ہو وہ بار بار سر ضرور اٹھائے گی۔ (بقول المتنبی):

الظلم من شیم النفوس فان تجد

ذاعفه فلعله لا یظلم

یعنی ظلم انسان کے خمیر میں شامل ہے اگر تم کسی کو عفت مآب دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کے ساتھ ظلم نہ کرنے کی کوئی علت وابستہ ہے۔ وہ دور ہو جائے گی تو یہ بھی ظلم کرے گا۔ آخری سند تو قرآن نے دے دی ہے: ظلوما جھولا۔ دونوں صیغے مبالغے کے ہیں۔

چشتی نظام تربیت میں پہلا وار نفس پر ہوتا ہے جو ظلم اور تعدی' جہالت اور بربریت کا مرکز ہے۔ نفس کو جتنا زیادہ شکستہ اور مغلوب و مقہور کرنا ہو' اتنی ہی کڑی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کیے جاتے ہیں کیونکہ اس طرح جو اخلاق پیدا کرنا مقصود ہے' وہ کسب اور مجاہدہ سے ہی تعلق رکھتا ہے۔[۲۵]

یہ اعتراض کہ اسلام میں ایسی "تکلیف مالا یطاق" نہیں ہے۔ درست ہے' مگر اس کا وجوب نہیں ہے' رخصت ہے۔ نفس کشی کے لیے مجاہدہ کو کہیں حرام بھی نہیں کہا گیا ہے اور اس نفس کشی کا مقصد و غایت بھی اخلاق ذمیمہ سے طہارت حاصل کرنا ہے۔ یہ مقصود بالذات نہیں ہے۔[۲۶] بلکہ حضرت چراغ دہلیؒ نے تو مجاہدات کا جواز بار بار قرآن شریف کی یہ آیت پڑھ کر ثابت کیا ہے:

"والذین جاھدوا فینا النھدینھم سبلنا" (العنکبوت:۶۹)

(جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں' ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔)

صوفیاء اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ "والذین جاھدوا فینا" شرط ہے اور لنھدینھم سبلنا اس کی جزا ہے۔ جزا بغیر شرط کے نہیں ہوتی' لہٰذا ہدایت بے مجاہدہ نہیں مل سکتی۔[۲۷] یہیں سے وسعت مشرب کا جواز بھی ملتا ہے کہ اس آیتہ میں "سبلنا" (ہمارے راستے) کہا ہے "سبیلنا" (ہمارا راستہ) نہیں کہا۔[۲۸]

نفس کو مغلوب کرنے کے لیے سب سے زیادہ توجہ انکسار' فروتنی اور دوسروں کو اپنے سے بہتر جاننے پر درکار ہے۔ تجرد اگر نظام اخلاق میں کمزوری پیدا نہ کرے تو اس کی اجازت دی گئی ہے۔[۲۹] ورنہ تاہل کا حکم ہے۔ مگر اس بارے میں حضرت نظام الدین اولیاء نے بڑا لطیف نکتہ بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ صبر کے تین درجے ہیں۔ ایک تو الصبر عنھن یعنی مجرد رہے اور صبر کرے۔ دوسرے الصبر علیھن یعنی شادی کرے اور اہل و عیال سے جو سختیاں اور نامرضیات ظہور میں آئیں' انہیں جھیلے۔ تیسرے الصبر علی النار یعنی انہیں ایذا دے یا ان کے حقوق ادا نہ کرے تو نار جہنم پر صبر کرے۔[۳۰]

قلت طعام' قلت کلام' قلت منام اور قلتہ الصحبتہ مع الانام۔[۳۱] یہ سلوک کے چار بنیادی اصول ہیں' مگر وظیفہ رجولیت میں قلت کو صوفیاء نے مجاہدات میں شامل نہیں کیا ہے کیونکہ یہ نفس کو زیر کرنے کا "غیر فطری" طریقہ ہو گا۔

مجاہدات سے نفس قابو میں آجائے تو سالک میں وہ قوت مدافعت بالکل نہیں رہتی جو نفس کے مقابلے اور مکابرے میں نفس کو ابھارتی ہے اور برائی کو برائی سے ختم کرنا چاہتی ہے۔ نہ وہ "لانیت" رہے گی جو دوسروں پر جارحانہ حملے کرتی ہے یا اوروں کا حق خود چھیننا چاہتی ہے جس سے مکر و دجل' حرص و ہوا اور کبر و حسد کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ شیخ نظام الدینؒ نے فرمایا کہ جب کوئی "نفس" سے پیش آئے تو درویش کو "قلب" سے پیش آنا

چاہیے کیونکہ نفس میں خصومت، غوغا اور فتنہ ہے اور قلب میں سکون و رضا اور ملاطفت۔ اس طرح نفس خود مغلوب ہو جائے گا۔[۳۲] چراغ دہلیؒ نے فرمایا: "اگر ایشان جفا ہامی کنند شما درویشی کنید بخشندہ باشید۔"[۳۳] حضرت بابا فرید کا قول ہے کہ "کشندہ کشندہ باشد" یعنی جھیلنے والا دشمن کو ختم کرنے والا ہوتا ہے۔[۳۴]

نفس کی لگام ہاتھ میں آجائے تو سالک کے لیے دو تربیتی کورس ساتھ ساتھ چلتے ہیں: پہلا حسن معاملہ باخلق، اور دوسرا ترک ماسوی اللہ۔[۳۵] پہلے نصاب کا تعلق حقوق العباد کے پورا پورا ادا کرنے سے ہے اور دوسرے کا حقوق اللہ کی رعایت کرنے سے۔[۳۶]

چشتی تعلیمات میں ان دونوں پہلوؤں کو مساوی اہمیت دی گئی ہے۔ "حسن معاملہ باخلق" کا اعلیٰ ترین معیار یہ ہے کہ اپنے دوستوں کے ساتھ تو سب ہی اچھا سلوک کرتے ہیں، دشمنوں سے بھی نیکی، نرمی اور رافت کا برتاؤ کیا جائے۔[۳۷] چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو بابا صاحبؒ نے پہلا سبق یہی دیا تھا کہ "اپنے دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے"[۳۸] اور حضرت محبوب الٰہیؒ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔[۳۹]

"ہر کہ مارا یار نبود، ایزد او را یار باد
وانکہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد
ہر کہ اوخارے نہد در راہ ما از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد"

حضرت چراغ دہلیؒ پر جب تراب قلندر نے حملہ کیا اور چاقو سے نو زخم جسم مبارک پر لگائے تو حجرے سے خون بہتا ہوا نالی کے راستے سے باہر جانے لگا تھا۔ آپ لہولہان ہو چکے تھے۔ خدام نے دوڑ کر قلندر کو پکڑ لیا مگر اس سے پہلے کہ اسے سزا دیں، حضرت چراغ دہلیؒ نے سختی سے تاکید کر دی کہ اسے کوئی تکلیف نہ دی جائے۔ میں نے اسے معاف کر دیا ہے بلکہ اسے کچھ چاندی کے سکے بھی مرحمت فرمائے۔[۴۰] اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ "مال

صوفی سبیل اور اس کا خون مباح ہے۔"[۴۱]

حضرت محبوب الٰہی (شیخ نظام الدین) سے ایک شخص نے عرض کیا کہ کچھ لوگ آپ کو برسر منبر برا کہتے ہیں اور دوسرے مواقع پر بھی نہیں چوکتے۔ ہم سے یہ سنا نہیں جاتا۔ آپ نے فرمایا:

"من از ہمہ عفو کردم--- شما را ہم می باید کہ عفو کنید---"[۴۲]

(میں نے سب کو معاف کر دیا ہے--- تمہیں بھی معاف کر دینا چاہیے۔)

اور فرمایا کہ برا کہنا تو آسان ہے برا چاہنا اس سے بھی بدتر ہے اور عداوت کا علاج یہ تجویز کیا کہ ایک فریق اپنا دل صاف کر لے' دوسرے کا آزار خود کم ہو جائے گا۔

حضرت نے فرمایا کہ خلق سے معاملہ تین طرح کا ہوتا ہے' ایک تو وہ شخص ہے جس سے نہ نفع پہنچتا ہے نہ نقصان۔ یہ جمادات کے حکم میں ہے۔ دوسرا وہ ہے جس سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے' نقصان نہیں ہوتا۔ مگر اس سے افضل وہ ہے جس سے نفع ہوتا ہے اور جب اسے کوئی نقصان پہنچاتا ہے تو وہ بدلہ نہیں لیتا۔ یہ درجہ صدیقوں کا ہے۔[۴۳]

ظاہر ہے جہاں دشمنوں سے ایسا سلوک ہو گا وہاں دوستوں' عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق کے ادا کرنے میں کیا کمی ہو سکتی ہے اور حقوق کو سمجھنے کا بہترین معیار یہ ہے کہ "آنچہ بر خود روا نداری بر غیرے روا مدار۔"[۴۴] یعنی

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو تم سے کوئی کرتا' تمہیں ناگوار ہوتا

ترک دنیا:

دوسرا نصاب ترک ماسوی اللہ کا ہے۔ چشتی بزرگ اپنے مریدوں کو داخل سلسلہ کرتے ہوئے بطور علامت ان کا سر منڈواتے تھے۔[۴۵] یہ دنیا کی آلائش دور کرنے کی نشانی تھی۔[۴۶] پھر اس کی آستینیں قطع کراتے تھے' یہ زہد کی علامت تھی۔ پھر انہیں کلاہ چہار ترکی دی

جاتی تھی' یہ چوگوشیہ ٹوپی تھی جس کے چار زاویے یہ تھے: ترک دنیا' ترک عقبیٰ' ترک مولیٰ' ترک ترک۔

ترک دنیا کا مفہوم بعد کو غلو کرنے والوں یا صوفیاء کے معاندوں نے کچھ کا کچھ کر دیا۔ یہ منفی اور فراری رویہ نہیں تھا بلکہ اس کی اساس قرآن کے اس حکم پر ہے کہ "انما الدنیا لھو ولعب" لہو ہر اس شے کو کہتے ہیں جس میں انسان کھو جائے اور لعب بے نتیجہ کام' محض کھیل اور دل لگی۔ دنیا کی یہی دو خصوصیات ہیں کہ وہ خدا' آخرت اور ایمان سے غافل کر دیتی ہے اور اس کی رنگینیوں میں انسان کھو جاتا ہے' یہ فقہی اصطلاح میں "حکمت حظر" ہوئی۔ جیسے شراب کے حرام ہونے کی علت سکر ہے۔ وہ رفع ہو جائے تو حرمت خود بخود اٹھ جائے گی۔ اسی طرح دنیا کے مکروہ و مبغوض ہونے کا سبب اس کا لہو و لعب ہونا ہے۔ اگر دنیا کی اس خصوصیت سے کوئی دامن بچا سکے تو اس کے لیے دنیا حلال ہے۔ یہی مولانا روم نے فرمایا ہے

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

حضرت امام محمد باقرؒ نے بھی آیۂ کریمہ فمن یکفر بالطاغوت کی تفسیر کرتے ہوئے "طاغوت" کے معنی یہ فرمائے کہ جو تمہیں خدا سے غافل کرے وہ تمہارا طاغوت ہے۔[۴۷]

صوفیائے چشتیہ[۴۸] کے کلام میں دنیا کی مذمت اسی قدر ہے۔ یہ نہیں ہے کہ سالک شادی نہ کرے' صاحب اولاد نہ ہو' گھربار کی ذمہ داریاں یا پیشے[۴۹] حرفتیں اور دستکاریاں نہ ہوں یا دنیا سے جائز تمتع ممنوع کر دیا ہو۔ بلکہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے: ترک دنیا یہ ہے کہ کھائے پیے' کھلائے پلائے' پہنے پہنائے' اپنی اور دوسروں کی ضروریات پر خرچ کرے مگر جمع کر کے نہ رکھے۔[۵۰] خرچ کا فائدہ منفعت للناس ہے اور یہی تصریف زر (Circulation of Wealth) کا نظریہ ہے۔ "زبہر نہادن چہ سنگ و چہ زر۔"[۵۱] جمع

کرنے کے لیے پتھر اور سونا برابر ہیں کیونکہ منفعت للناس کا نہ ہونا دونوں میں مشترک ہو گیا۔ ترک کا مقصد "حضور قلب" کا حصول ہے۔[۵۲]

ایک موقع پر حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ دنیا تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو صورتاً بھی دنیا ہے' معناً بھی (جیسے ضرورت سے زیادہ دولت) دوسری صورتاً و معناً دنیا نہیں ہے (مثلاً باخلاص عبادت) اور تیسری صورتاً دنیا ہے معناً نہیں ہے۔ (جیسے ادائے حق زوج)۔[۵۳]

لہٰذا مشائخ چشت کے نزدیک "ترک دنیا" کا مفہوم یہ ہے کہ مال دنیا سے محبت نہ ہو' نہ دنیا کمانے میں اتنا اندھا ہو جائے کہ حلال و حرام کی تمیز اٹھ جائے۔ حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ علاقہ دنیا بقدر عرفان کم ہوتا ہے۔[۵۴]

حب مال سے آگے اور زیادہ دشوار منزل حب جاہ کی ہے۔[۵۵] حدیث میں آیا ہے:

آخر ما یخرج عن رووس الصدیقین حب الجاہ

(سب سے آخر میں صدیقوں کے دماغ سے حب جاہ کی بو نکلتی ہے۔)

چشتی صوفیاء کی خانقاہ میں لوگ کس طرح مساوات سے رہتے تھے۔ اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار حضرت نظام الدینؒ پلنگ پر تشریف رکھتے تھے اور سب حاضرین فرش پر تھے۔ آپ نے معذرت پیش کی کہ میری ٹانگ میں درد ہے' اس لیے فرش پر نہیں بیٹھ سکتا ہوں۔[۵۶]

محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ دنیادار تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور ہمہ وقت اس کا ذکر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اکثریت میں ہیں۔ دوسرے وہ جو اسے دشمن سمجھتے ہیں اور دنیا کی مذمت کرتے رہتے ہیں۔ یہ نسبتاً کم ہیں۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو نہ دنیا کو دوست رکھتا ہے نہ دشمن۔ "این قسم بہ از ہر دو قسم۔"[۵۷]

یہ ایک طرح کی مثبت بے تعلقی ہے۔ منفی رجحان یا فرار نہیں ہے۔[۵۸] نہ یہ لنگوٹہ

باندھنے یا برہنہ رہنے کا نام ہے۔ ایک شخص کیتھل میں تارک دنیا تھا اور ننگا رہتا تھا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا:

اگر او را پیرے بودے ستر عورت بفرمودے۔[۵۹]

اگر کوئی اس کا پیر ہوتا تو اسے بدن ڈھانپنے کا حکم دیتا۔

جب ترک دنیا کا یہ مقصود حاصل ہو جائے تو اگلی منزل "ترک عقبیٰ" کی ہے یعنی عبادت و ریاضت یا حسن معاملات سے اجر و ثواب کا تصور اٹھ جائے۔ بقول غالب:

طاعت میں تا رہے نہ مئے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

خدا کی عبادت اس لیے کرنی چاہیے کہ وہ خالق ہے' ہم مخلوق ہیں۔ وہ الہ ہے' ہم عبد ہیں۔ حور و قصور کے لالچ یا مئے و انگبین کی لاگ میں نہیں۔[۶۰] "ثواب" کا عقیدہ نیک کام کے درمیان سے اٹھ جائے تو اس کی جگہ "احساس فرض" آجائے یعنی ایک تصور تو یہ ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلانے سے ثواب ہوتا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ ثواب ہو یا نہ ہو' یہ ایک اچھا کام ہے اور صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسرے جذبے کی اخلاقی قیمت زیادہ ہے۔ ثواب کے تصور میں صرف انفرادی نجات ہے اور احساس فرض کے پیچھے پورے معاشرے کی فلاح کا عقیدہ ہے۔

ترک عقبیٰ کے مقام سے گزر کر "ترک مولیٰ" کا مرتبہ ہے۔ یہ فنا کی منزل ہے اور یہاں سے وحدت الوجود کی تعبیریں شروع ہو جائیں گی اور اس سے اگلی منزل "ترک ترک" کامل توحید ہے جو اضافات کے سقوط کا نام ہے۔ گویا ترک کی اضافت بھی ساقط ہو گئی۔

"ترک ترک" کے سوا ایک منزل "ترک اختیار" کی بھی ہے یعنی "باختیار خود کارے نمی باید کرد"[۶۱] یہ منزل رضا عبادت کی انتہائی غایت ہے۔ حضرت چراغ دہلیؒ نے آیت قرآن: "ان الله اشترى من المومنين انفسهم واموالهم بان لهم

الجنه" (التوبہ: ۱۱۱) کی تفسیر میں ایک عجیب نکتہ بیان کیا ہے کہ خدا نے نفس کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ بیچنے والے کے لیے اس شے کی "ملکیت" ضروری ہے جسے وہ فروخت کر رہا ہے۔ اس لیے نفس کو مجاہدہ کے ذریعے "قابو" میں لانا ضروری ہے۔ یہی نفس کشی کا فلسفہ ہے۔[۶۲]

روح عبادات:

عبادات میں صوفیائے چشت نے فرض عبادتوں کے علاوہ کچھ نوافل اور مسنون دعائیں یا اذکار بھی راہ سلوک کے سالکوں کو تعلیم کیے ہیں، مگر عبادات بقدر استطاعت تجویز کی جاتی تھیں۔ مثلاً کسی کو صوم دوام، کسی کو صوم داؤدی، کسی کو صرف صوم رمضان۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں ایسے بھی تھے جو کسی معذوری کی وجہ سے صرف رمضان کے روزے رکھتے تھے۔ اسی طرح عبادتوں کو ہر سالک نے اپنی مقدرت کے مطابق اختیار کر رکھا تھا۔ دراصل مشائخ چشت نے طاعت تین طرح کی بتائی ہیں: طاعت مالی، طاعت بدنی اور طاعت خلقی۔[۶۳] یہ سب قفل سعادت کی کنجیاں ہیں اور ان میں سے کسی کلید سے بھی کشاد کار ممکن ہے مگر ان میں طاعت خلقی کا درجہ افضل ہے۔

نماز کی روح حضور قلب[۶۴] ہے۔ لا صلوه الا بحضور القلب۔ علماء اور فقراء کی نماز میں فرق ہے۔ علماء یا کعبہ کو دیکھ کر نماز پڑھیں گے یا اس کی سمت میں نیت باندھیں گے یا جہت معلوم نہ ہو تو تحری یعنی اندازے سے ادھر کا رخ کریں گے مگر "فقراء تا عرش نہ بینند نماز نکنند"[۶۵] اس سے وہی "حضور قلب" مراد ہے۔[۶۶] یہ صوفیاء کے نزدیک صلاح دل کی علامت ہے کیونکہ دل معصیت سے پاک ہو تو ذوق طاعت پیدا ہوتا ہے۔

زکوٰۃ درویشوں پر واجب ہی کہاں ہوتی ہے، مگر ان کا سارا مال "سبیل" ہے۔ اسی لیے حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ زکوٰۃ تین طرح کی ہوتی ہے۔[۶۷]

زکوٰۃ شریعت یہ ہے کہ چالیس روپے میں سے ایک روپیہ راہ خدا میں دے دیا

جائے۔

زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ ایک روپیہ خود رکھ کر باقی راہ خدا میں دے دے اور
زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ سب راہ خدا میں دے دے' خود کچھ نہ رکھے۔

چشتی صوفیائے کرام نے عملی زندگی میں اسی "زکوٰۃ حقیقت" کے ادا کرنے کا ثبوت دیا ہے۔ جب زکوٰۃ شریعت ہی واجب نہ ہو تو حج کہاں سے فرض ہو گا؟ اس لیے ان بزرگوں نے درویشوں کے سفرحج پر جانے کی زیادہ حوصلہ افزائی نہیں کی۔ راستے دشوار تھے' مہینوں کا سفر تھا۔ فقر کی وجہ سے زاد راہ کافی ہوتا نہیں تھا۔ راستے میں نوبت سوال کرنے کی بھی آسکتی تھی۔ حج جب فرض نہیں ہے تو اس کے لیے نفس کو تکلیف دینا کیا ضرور ہے۔[۲۸] جو عبادتیں فرض ہیں اور جن کے لیے وہ مکلف ہے' انہیں کو خیر و خوبی سے کیوں نہ ادا کیا جائے۔ ایک درویش بے سروسامانی کے عالم میں حج کے لیے نکلے۔ راستے میں بھوک سے عاجز ہو کر ایک مسجد میں نماز کے بعد انہوں نے سوال کیا کہ ہم "اللہ کے مہمان ہیں۔" دوسرے بزرگ نے کہا کہ جب تمہارے پاس زاد راہ نہیں تھا تو حج کرنے کیوں نکلے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارا زاد راہ تقویٰ ہے۔ قرآن میں ہے: وتزودوا ان خیر الزاد التقوی۔ (البقرہ:۱۹۷) یہ بزرگ برہم ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم احمق ہو۔ قرآن کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ وہ کہتا ہے کہ توشہ لے کر چلو کیونکہ بہترین زاد راہ کا ساتھ ہونا ہی تقویٰ کی ضمانت ہے۔ اگر تمہارے پاس زاد راہ ہوتا تو سوال کی ذلت سے محفوظ رہتے۔

خدمت خلق:

اب یہ دیکھنا ہے کہ ان صوفیاء کے نزدیک مذہب کی روح اور غایت اقصیٰ کیا تھی؟ علمائے ظاہر کے برخلاف انہوں نے اسے دنیا طلبی' جاہ پسندی اور عزت و شہرت کے حصول کا وسیلہ نہیں بنایا بلکہ اسلام کی روح کو خدمت خلق' رواداری اور صلح جوئی میں تلاش کیا۔

آج دنیا بھر میں عیسائی مشنریاں صرف ایک نعرۂ خدمت (Service of

(Humanity) کو لے کر دوسرے مذاہب کو شرمندہ کر رہی ہیں۔ ان کے پاس بڑے مالی وسائل ہیں۔ جنگ کے میدان میں زخمیوں کی خدمت' ہسپتال قائم کر کے مریضوں کا علاج' قحط زدہ علاقوں میں خوراک سے بھوکوں کی امداد' تعلیمی اداروں وغیرہ کا قیام۔ ان کی سرگرمیاں مختلف نوعیت کی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ بائبل کے مواعظ بھی سناتی ہیں۔ عیسائیت کا لٹریچر مفت تقسیم کرتی ہیں' تبدیل مذہب کا لالچ دیتی ہیں اور ان کا مذہب قبول کرنے والوں کو بہت سی رعایتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ پسماندہ اور جاہل اور استحصال کے شکار علاقوں میں انہیں خاصی کامیابی ہوئی ہے۔

یہ چشتی صوفیاء بھی دراصل اسلام کے مبلغ (Missionaries) تھے مگر کیا ان کے پاس اتنے عظیم فنڈ تھے؟ کیا ان کی تحریک اتنی منظم تھی؟ کیا وہ پروپیگنڈے کے فن سے کام لیتے تھے۔ کیا وہ مظلوموں اور بیکسوں کی امداد کسی ذاتی یا سیاسی غرض سے کرتے تھے؟ بے سروسامانی اور فقر محض کے باوجود ان کی خانقاہوں میں دن رات لنگر جاری تھا۔ فتوح[۶۹] میں نقد آیا تقسیم ہو گیا' نذرانے میں اشرفیاں آئیں لٹ گئیں' ہدیہ میں کپڑا آیا بانٹ دیا گیا۔[۷۰]

مشائخ چشت نے خانقاہ چلانے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت بتائی ہے: حال' قال (علم) اور مال۔ مگر حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ مال کی بھی ضرورت نہیں' حال اور علم کافی ہیں۔[۷۱] "حال" یہ ہے کہ انسانیت کے درد کو اپنا "حال" بنا لیں۔ چنانچہ ایک بار حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا:[۷۲]

> "آن قدر غم و اندوہ کہ مراست' ہیچ کس را درین جہان نیست۔ زیرا کہ چندین خلق می آیند و غم و اندوہ خویش می گویند ہمہ بر دل و جان من می نشیند۔ عجب دلے باشد کہ غم برادر مسلمان بشنود و دروے اثر نکند۔"
>
> جتنا غم و اندوہ مجھے ہے اتنا اس دنیا میں کسی کو نہ ہو گا کیونکہ اتنے لوگ آتے ہیں اور اپنا دکھ درد کہتے ہیں' وہ سب میرے دل و جان میں بیٹھ جاتا

ہے۔ عجب دل ہو گا جو اپنے مسلمان بھائی کا غم سنے اور اس پر اثر نہ ہو۔"

حضرت محبوب الٰہیؒ اکثر روزہ رکھتے تھے اور سحر کے وقت بھی بہت قلیل غذا تناول فرماتے تھے۔ آپ کے خادم خواجہ عبدالرحیم جن کے ذمے سحری کا لے جانا تھا' بیان کرتے ہیں کہ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت خواجہؒ سحری کے وقت کچھ بھی نہ کھاتے' میں نے عرض کیا کہ آپ افطار میں بھی نہیں کھاتے' اگر سحری بھی نہ کھائیں گے تو ضعف بڑھ جائے گا۔ آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا: "کتنے غریب اور بیکس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوئے ہیں اور فاقے سے رات گزار دیتے ہیں۔ یہ کھانا بھلا میرے حلق سے نیچے کس طرح اتر سکتا ہے۔"(۷۳)

حضرت محبوب الٰہیؒ نے ایک عورت کو دیکھا کہ دریائے جمنا کے کنارے ایک کنویں سے پانی بھر کر لے جا رہی ہے۔ آپ نے اس سے کہا کہ تو دریا کو چھوڑ کر کنویں کا پانی کیوں پیتی ہے؟ اس نے کہا کہ میرا شوہر غریب ہے' ہمارے گھر کا خرچ مشکل سے چلتا ہے۔ کنویں کا پانی بھوک زیادہ لگاتا ہے' اس لیے ہم جمنا کا پانی پیتے ہیں۔ حضرت یہ سن کر رونے لگے اور خانقاہ میں آکر خادم سے کہا کہ غیاث پور میں ایک عورت ہے جو کنویں کا پانی نہیں پیتی کیوں کہ اس سے بھوک زیادہ لگتی ہے۔ تم جا کر اس سے پوچھو کہ اس کے ماہانہ خرچ میں کتنا خسارہ رہتا ہے' اتنا خرچ ہر مہینے اسے ہماری خانقاہ سے دیا کرو اور اس سے کہو کہ کنویں کا پانی پیئے۔(۷۴)

ایک بار غیاث پور میں آگ لگ گئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ چلچلاتی دھوپ میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہوئے آگ لگنے کا منظر اس وقت تک دیکھتے رہے' جب تک وہ بجھ نہ گئی۔ پھر خواجہ اقبال کو بلایا اور فرمایا کہ جا کر گھروں کی گنتی کرو کہ کتنے آگ سے متاثر ہوئے ہیں۔ اور ہر گھر والے کو چاندی کے دو تنکے' دو روٹیاں اور ایک صراحی ٹھنڈے پانی کی

پہنچاؤ۔ بستی کے لوگ اس وقت بہت ہی پریشان اور مضطر تھے۔ جب خواجہ اقبال کھانے کا خوان اور پانی کی صراحی اور چاندی کے تنکے لے کر ہر ایک کے گھر پہنچے تو لوگ خوشی سے آب دیدہ ہو گئے۔ دو تنکے اس زمانے میں اتنی قیمت رکھتے تھے کہ اس سے کئی چھپر ڈلوائے جا سکتے تھے۔ (۷۵)

یہ ہزاروں واقعات میں سے چند کی طرف مختصر اشارے ہیں اور ان سے یہ وضاحت کرنا مقصود ہے کہ خدمت خلق بھی ان صوفیائے کرام کا "حال" تھا اور دنیا کی کوئی جماعت یا ادارہ یا مشنری یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ انہوں نے ان مشائخ سے زیادہ دل سوزی سے' مجروح انسانیت کی خدمت کی ہو گی' اور اسے اپنا حال بنا لیا ہو گا۔ پھر آج ان مشائخ کے نام لیوا ان کے اس مشن کی اہمیت کا احساس کیوں نہیں کرتے۔

خانقاہی تربیت کا ماحصل:

اب دیکھنا یہ ہے کہ چشتی مشائخ کی خانقاہوں میں کس طرح کے انسان ڈھالے جاتے تھے اور ان بزرگوں کی تربیت کا ماحصل کیا تھا۔

اس کا پہلا اصول "تخلیہ" یعنی قلب کو گناہوں کی رغبت اور میلان سے خالی کرنا اور دوسرا مرحلہ "تحلیہ" یعنی سیرت کو اچھے اخلاق کے زیور سے آراستہ کرنا۔ (۷۶) مشائخ نے فرمایا کہ فتنہ کے چشمے چار ہیں: دنیا' مخلق' شیطان اور نفس۔ پھر یہ تجویز کیا کہ دنیا کا علاج تجرد ہے (یعنی اسباب دنیا سے بے تعلقی) اور خلق سے بچاؤ تفرد (گوشہ گیری) میں ہے۔ شیطان کا علاج محاربت (جنگ) اور نفس کا تقویٰ ہے۔ ان چار محاذوں پر سالک کامیاب رہے تو اس کا ہر قدم کمال کی طرف بڑھتا جائے گا۔ (۷۷) یہاں تک کہ وہ "صحرائے قرب" میں داخل ہو جائے اور راہ میں جو مقامات و احوال پیش آئیں گے' وہ اس کے "حاکم وقت" ہو جائیں گے۔ (۷۸)

توبہ و استقامت:

سلوک کی ابتداء توبہ سے ہوتی ہے۔ توبہ کا عملی مظاہرہ یہ ہے کہ اگر پہلے کسی کو برا کہا ہو تو جا کر اسے خوشنود کرے اور اس سے معافی طلب کرے اور اگر وہ شخص مرچکا ہے تو اس کی روح کو ایصال ثواب کے لیے غلام آزاد کرے کیونکہ غلام کو آزاد کرنا مردہ کو زندہ کرنے کی برابر ہے۔(۷۹)

قبول توبہ کی نشانی یہ ہے کہ جن افعال سے توبہ کی ہے' ان سے دل میں نفرت پیدا ہو جائے اور ان گناہوں کی یاد سے نفس کو لذت حاصل نہ ہو۔ جوانی کی توبہ سب سے اچھی ہے۔ بڑھاپے میں توبہ نہ کرے گا تو کیا کرے گا؟(۸۰) بعض مشائخ نے یہ بھی کہا ہے کہ متقی محض سے گناہگار تائب کا مرتبہ افضل ہے۔(۸۱)

توبہ کی روح استقامت ہے جو سلوک کا مقصود ہے۔(۸۲) ایک دن عالم استغراق میں حضرت محبوب الٰہیؒ سے بابا صاحبؒ نے فرمایا تھا: کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا استقامت۔ فرمایا: دادیم۔ چونکہ لسان حال میں اثر ہوتا ہے' حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے تھے کہ شیخ کے ارشاد کا اثر اسی وقت طبیعت میں محسوس ہوا۔(۸۳)

استقامت کیا ہے' اسے ایک واقعہ سے سمجھ لیجئے۔ حضرت حمید سوالی (متوفی ۷۶۳ھ) حضرت شیخ اجمیریؒ کے خلیفہ تھے اور انہیں قطب صاحبؒ سے بھی خرقہ ملا تھا۔ بیعت سے پہلے "افتد و دانی" کا مزہ چکھ چکے تھے۔ پرانے دوست پھر آئے اور انہوں نے عیش کوشی کی طرف مائل کرنا چاہا۔ انہوں نے فرمایا:

"بروید گوشہ بنشینید کہ این ازار بند خود را من چناں محکم بستہ ام کہ فرداے قیامت بحوران بہشت ہم نکشایم۔(۸۴)

جاؤ اور گوشہ میں بیٹھو' میں نے تو اپنا ازار بند ایسا مضبوط باندھا ہے کہ کل قیامت کے دن حوران بہشت پر بھی نہ کھولوں گا۔

صدق و اخلاص:

درویش کا ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہیے۔[۸۵] خلوت میں بھی وہی کرے جو جلوت میں کرتا ہو۔ بعض لوگوں کا ظاہر آراستہ ہونا ہے باطن خراب' بعض کا باطن آراستہ ہے' ظاہر خراب۔ ایک طبقہ وہ ہے جس کا ظاہر و باطن دونوں خراب ہیں۔ چوتھا اور سب سے افضل گروہ ان لوگوں کا ہے جن کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہیں۔[۸۶] یہ کیفیت صدق و اخلاص سے حاصل ہوتی ہے۔ صدق زیادہ ہو تو کم طاعت بھی نافع ہے۔[۸۷] صدق یہ ہے کہ غرور و ریا نہ ہو' اپنے حال کو چھپائے رکھے۔[۸۸] اعمال کا تعلق نیت سے ہے اور خدا نیت کو خوب جانتا ہے۔ مخلوق سے زہد و عبادت کا کچھ صلہ لینا نہیں ہے تو پھر نیت درست کیوں نہ رکھی جائے۔

ساتھ ہی محاسبہ نفس ہوتا رہے۔ اپنے نفس پر ایک گھڑی عتاب کرنا ستر سال کی عبادت سے اچھا ہے۔[۸۹] اگر آپس میں جھگڑا بھی ہو تو رفق و ملاطفت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔[۹۰] کسی ساتھی کو نصیحت کرنا ہو تو اسے تنہائی میں خوش اسلوبی سے سمجھا دے۔ سب کے سامنے فضیحت نہ کرے۔[۹۱]

اطعام:

لقمہ حلال کا اہتمام کرے۔[۹۲] اگر میسر نہ ہو تو فاقہ کو فقیر کی شب معراج سمجھے۔[۹۳] سلسلۂ چشتیہ میں اطعام (کھانا کھلانا) کی فضیلت سب سے زیادہ ہے۔ مشائخ نے ہر آنے جانے والے کے لیے لنگر عام رکھا ہے۔[۹۴] حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ درویشی کی شان ہی کھانا کھلانا ہے۔[۹۵] ایک اور موقع پر فرمایا کہ یہ ہمارے خانوادے کی خصوصیات میں سے ہے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمتہ کی خدمت میں کوئی شخص اپنی مصیبت بیان کر کے دعا کرانے یا تعویز لینے آتا تھا تو آپ اصرار کرتے تھے کہ پہلے کچھ کھا لو۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کا بھی اس

پر عمل رہا۔ آپ نے متعدد بار اپنی مجلسوں میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ:

من زار حیا ولم یذق منه شیا فکا نما زار میتا

جس نے کسی زندہ شخص سے ملاقات کی اور اس کے ہاں کچھ نہ چکھا تو گویا اس نے ایک مردے کی زیارت کی۔(۹۴)

حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں لوگ گروہ در گروہ آتے تھے اور ان کے لیے بار بار کھانا لایا جاتا تھا۔(۹۷)

توکل:

اس عام لنگر کا دارومدار توکل پر تھا۔ توکل کی تشریح بھی اہل تصوف کے معاندوں نے غلط کی ہے۔ ترک دنیا کی طرح یہ بھی منفی نہیں بلکہ مثبت رویہ ہے۔ توکل کے تین مدارج ہیں۔ ایک وہ جو موکل اپنے وکیل پر کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو شیر خوار بچے کو اپنی ماں پر ہوتا ہے اور تیسرا وہ حال ہے جو مردے کا غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔(۹۸)

رزق بھی چار قسم کا ہوتا ہے: رزق مضمون' رزق مقسوم' رزق مملوک اور رزق موعود۔ مشائخ کو یہی رزق موعود ملتا ہے اور اس کی سند قرآن کی یہ آیت ہے:

"ومن یتق الله یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لایحتسب ان الله بالغ امره۔ قدجعل الله لکل شیی قدرا۔" (الطّلاق:۲۰)

(اور جو اللہ سے ڈرتا ہے' خدا اس کے لیے راہیں کھول دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے' جہاں اس کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ اپنے حکم کو پورا کرنے والا ہے اور اس نے ہر شے کی قیمت مقرر کر دی ہے۔)

ان چار قسموں میں توکل کا تعلق صرف رزق مضمون سے ہے۔(۹۹)

بظاہر خانقاہ کے مصارف فتوح سے پورے ہوتے تھے۔ یہ وہ نذرانہ ہے جو عقیدت مند حضرات مشائخ کی خدمت میں بے طلب پیش کرتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فتوح کا اصول لاحدو لارد ولاکد بتایا ہے۔[۱۰۰] یعنی مرید پر اپنی طرف سے نذرانہ مقرر نہ رکھے۔ امیروں اور بادشاہوں کے نذرانوں اور جاگیروں کو مشائخ چشت نے قبول نہیں فرمایا۔[۱۰۱] بابا صاحبؒ نے بلبن کے نذر کردہ جاگیر کے قبالے واپس کر دیئے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بھی بار بار جاگیر پیش کی گئی۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: "اگر میں اسے قبول کر لوں تو لوگ یوں کہا کریں گے کہ آج شیخ اپنا باغ دیکھنے گئے ہیں۔ آج کھیتوں کی نگرانی کرنے گئے ہیں۔ مجھے ان سے کیا سروکار۔" پھر آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور فرمایا کہ "ہمارے تو مشائخ نے بھی جاگیریں قبول نہیں کیں۔"[۱۰۲]

فرمایا: مشائخ کا طریق یہ ہونا چاہیے کہ نہ کسی سے سوال کرے اور نہ دل میں خیال کرے کہ یہ چیز مجھے مل جاتی تو اچھا ہوتا۔[۱۰۳]

انفاق:

یہ حضرات بے اسباب خوش رہنا جانتے تھے اور اپنے متوسلین کو خوش ہو کر اسی کی دعا دیتے تھے۔[۱۰۴] جب توکل کامل اور راسخ ہو گا تو مال خرچ کرنے میں راحت نصیب ہو گی اور یہ خوف دل میں نہیں آئے گا کہ کل کیا ہو گا؟ محبوب الٰہیؒ نے ایک دلچسپ نکتہ بیان فرمایا کہ دنیا کی جو راحتیں ہیں، وہ پیسہ خرچ کر کے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ خرچ کرنے میں راحت ہے۔[۱۰۵]

اسلام شاید دنیا کے مذاہب میں اس لحاظ سے تنہا ہے کہ اس نے انفاق اموال کو بہترین عبادت قرار دیا ہے۔ اور اس کی سخت تاکید کی ہے:

"لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون." (آل عمران: ۹۲)

تم نیکی حاصل کر ہی نہیں سکتے، جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے

خرچ نہ کرو۔

اور

"یا ایھا الذین آمنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین۔" (المنافقون:۱۰)

اے ایمان والو! ہم نے تمہیں جو کچھ رزق دیا ہے' اسے اس سے پہلے خرچ کر ڈالو کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور اس وقت وہ کہے کہ اے رب اگر تو اس موت کو ذرا دیر کے لیے ٹال دیتا تو میں سچا بن جاتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا۔

اگر مال جمع بھی کیا جائے تو اس کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ "از و بدیگرے منفعتے برسد۔"(۱۰۶)

ایک اور دلچسپ نکتہ حضرت محبوب الٰہیؒ نے بیان فرمایا کہ اگر کسی شخص کا ستارۂ اقبال اوج پر ہے اور دولت آرہی ہے تو خوب خرچ کرے کبھی نہ گھٹے گی اور اگر ستارہ زوال پر ہے اور دولت جا رہی ہے تب بھی خوب خرچ کرے کیونکہ اسے بہرحال جانا ہی ہے' بجائے اس کے دوسروں کے ہاتھوں میں ہماری ناخوشی سے جائے' اپنے ہی ہاتھوں کیوں نہ خوشی خوشی خرچ کر دی جائے۔(۱۰۷)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اتنا انفاق کیا جائے تو اسراف سے بچنے کی کیا سبیل ہو گی اور اس کی تمیز کیسے ہو گی کہ یہ اسراف نہیں ہے؟ محبوب الٰہیؒ نے یہ اشکال بھی ایک چٹکلے میں رفع کر دیا۔ فرمایا کہ جو کچھ بغیر نیت خیر خرچ کیا جائے اور خدا کی خوشنودی کے لیے نہ ہو' وہ اسراف ہے خواہ ایک دھیلا ہی ہو اور نیکی کی نیت سے خدا کے راستے میں دونوں جہان بھی لٹا دے تو اسراف نہیں ہے۔(۱۰۸)

مال دنیا کے ساتھ درویش کا معاملہ یہ ہونا چاہیے کہ "اگر برسد مرحبا واگر نرسد ہم مرحبا۔ در ہر دو حال خوش باشد۔"[۱۰۹] یعنی

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجئے
جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجئے

یہ ان مشائخ کی مبارک زندگی تھی کہ تمام عمر کوئی جاگیر قبول نہیں کی' خزانہ جمع نہیں کیا۔ کوئی مستقل ذریعہ آمدنی پیدا نہیں کیا۔ سرکار دربار کو منہ نہیں لگایا۔ جو کچھ عوام کے نذرانوں اور فتوحات کی صورت میں آیا اسے فوراً فقراء اور مساکین پر خرچ کر دیا اور جیسے خالی ہاتھ اپنے خالق کے پاس سے آئے تھے' ویسے ہی اس کے حضور میں پہنچ گئے۔ اسی کا نام "ترک و تجرید" ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ جب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا انتقال ہوا تو آپ کے گھر میں تجہیز و تکفین کا سامان بھی موجود نہیں تھا۔ لحد کے لیے کچی اینٹوں کی ضرورت ہوئی تو ہجرے کی ایک دیوار ڈھا کر اس کی اینٹیں لحد مبارک میں لگائی گئیں۔[۱۱۰]

یہاں تک چشتی تعلیمات کا خلاصہ اس نظر سے پیش کیا گیا ہے کہ ان میں نہ کوئی بات اسلامی شرع کے خلاف ہے[۱۱۱] نہ عالمی اخلاقی اقدار سے معارض ہے' نہ اسے منفی اور فراری رویہ کہا جا سکتا ہے بلکہ امام غزالی کے لفظوں میں دنیا بھر کے فلاسفہ اور حکماء مل کر بھی چاہیں تو ان میں سے کسی ایک شق کے لیے بہتر متبادل فراہم نہیں کر سکتے۔

عہد حاضر میں چشتی تعلیمات کی معنویت:

جس زمانے میں چشتی مشائخ نے اپنا نظام تربیت جاری کیا تھا' ہندوستان کا نقشہ بالکل مختلف تھا۔ اس کی چند خصوصیات یہ تھیں جن کا اب تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) مسلمان حکمران ضرور تھے' مگر نہایت قلیل تعداد میں تھے۔ غالب اکثریت ہندوستان کے اصلی باشندوں کی تھی جن کے اپنے عقائد' رسوم' شعائر اور عبادات تھیں جو اسلام جیسے سامی

تہذیب کے مذہب سے کلی مغائرت رکھتی تھیں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کا ایک مرید اپنے دوست کے ساتھ خانقاہ میں آیا اور اس کا تعارف یہ کہہ کر کرایا کہ "این برادر من است۔" حضرتؒ نے فرمایا کہ "اس قوم پر کسی کے کہنے سننے سے اثر نہیں ہوتا۔ ہاں کسی صالح کی صحبت میسر آ جاتی ہے تو اس کی برکت سے اسلام قبول کر لیتے ہیں۔"[۴۲] اور یہ صوفیا ہی تھے، جن کے اعمال صالحہ کو دیکھ کر اسلام قبول کرنے کی ترغیب فقراء و مساکین میں پیدا ہوتی تھی۔ علماء نے تو زیادہ تر قتل اور کفر کے فتوے ہی دیئے ہیں، یعنی مسلمانوں کو کافر بنایا ہے، کافروں کا مسلمان کرنا ان کے نصیب میں نہیں آیا۔

(۲) یہاں ایک مطلق العنان بادشاہ ہوتا تھا۔ اس کے خاندان کے افراد اور دوسرے اعلیٰ حکام مل کر ایک طبقہ اشراف بناتے تھے، جس کے ہاتھ میں ساری دولت اور سارے وسائل تھے۔ گویا زندگی کی ہر نعمت، ہر مسرت، ہر عیش اور راحت "تجمل حسین خاں" کے لیے تھی۔ دوسروں کو بس "نظر گذر" کا حصہ ملا تھا۔

(۳) دوسرا طبقہ علماء کا تھا۔ یہ مذہب کے محافظ کہلاتے تھے، مگر دراصل مذہب کے نام پر حکومت کی حفاظت کرتے تھے اور عوام کے ذہنوں میں جاگیرداری اور مطلق العنانی کا رعب داب قائم رکھتے تھے۔

(۴) طبقہ امراء میں ضرورت سے زائد بلکہ دوسروں کے نصیب کی دولت بھی سمٹ آئی تھی۔ اس لیے طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں، فضول رسمیں، لذت کوشی، اسراف اور خواہشات نفسانی کا اتباع اپنی حد سے گزر گیا تھا۔ عہد سلطنت کا حال (التمش اور ناصر الدین جیسے مستثنیٰ بادشاہوں کو چھوڑ کر) تاریخ میں دیکھ لیجئے۔ مثل ہے کہ: الناس علیٰ دین ملوکہم۔ بادشاہوں کے رجحان سے عوام کا کردار بھی بنتا تھا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے ابتدائی زمانے میں دہلی کی اخلاقی پستی کا حال دیکھ کر اس شہر سے نکل جانے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر ایک درویش نے انہیں سمجھایا اور کہا:[۴۳]

آن روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہی شد!

انہوں نے دہلی میں رہ کر ہی اخلاق کی اصلاح کا مشن شروع کر دیا اور پھر اپنے خلیفہ حضرت چراغ دہلیؒ کو بھی تاکید فرمائی کہ "جفا وقفائے مردمان باید کشید۔"(۱۴) اگر یہ بزرگ اپنی ہی نجات کے طالب ہوتے تو صحرانشینی میں کون مانع ہو سکتا تھا؟ مگر چشتی نظام کا مقصد تو وہی Service of Humanity تھا' جسے آج حریف اپنا حصہ بتا رہے ہیں! یہ صوفیا صحیح معنوں میں اسلام کے مشنری تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے اسی درویش کا قول نقل کیا ہے: "این چہ قوت باشد و چہ حوصلہ کہ از خلق گوشہ گیرند و بحق مشغول شوند۔ یعنی قوت و حوصلہ آن باشد کہ باوجود خلق بحق مشغول باشند۔"(۱۵) حضرت گیسو درازؒ نے اپنے زمانے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "تخم نیکی درین زمانہ اگر بکارند بر نیاید--- اما تخم بدی ناکشتہ بر می آید۔" (جوامع الکلم' ص ۳۰۲) اور روزی کا یہ حال تھا کہ حلال کا لقمہ کھانا تقریباً محال معلوم ہوتا تھا (ص ۳۳۱' جوامع) یہ دونوں اوصاف حمیدہ ہمارے زمانے میں اور بھی پھلے پھولے ہیں۔

اس وقت بدی اور اکل حرام اپنی اصلی شکل میں سامنے آجاتے تھے اور آج ان کے چہرے پر سترنقابیں ہوتی ہیں۔

آج کا معاشرہ یہ ہے کہ انسان کے ضمیر کی آواز مشینوں کی گڑگڑاہٹ میں گم ہو گئی ہے۔ ایمان کا خداوندی نور' بجلی کی آنکھیں خیرہ کر دینے والی روشنی میں دب رہا ہے' بقول اکبرؔ:

برق کے فیض سے اللہ بچائے ہم کو
روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے

روپے کی افراط' عیش و عشرت کی فراوانی' مشینوں کی حکمرانی' مہلک ہتھیاروں کا پھیلاؤ' مختلف فلسفوں اور عقیدوں کا ٹکراؤ' اصطلاحوں کی بھرمار' لفظوں کی یلغار' معانی کی موت' اخلاق ایک تصور پارینہ انسانیت ایک اسم بے مسمّٰی اور روحانیت ایک لفظ بے مدلول۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

فلسفے نے شکوک لاکھوں پیدا کر دیئے ہیں' جواب ایک کا بھی نہیں دے سکا۔ اپنے دام میں خود گرفتار ہو گیا ہے۔ سائنس مظاہر کی علتیں دریافت کرنے چلی تھی مگر یہاں تہ در تہ اسرار ہیں' ایک عقدہ کھلتا ہے تو دس نئے عقدے اور نظر آجاتے ہیں۔ "مذہب" رسوم و ظواہر کا شکار ہو گیا ہے۔ صرف خول اور ڈھانچا باقی ہے' روح غائب۔ تشکیک' بے یقینی' انتشار اور تضاد کی اس دنیا میں جسم کی پرورش کے لیے تو بہت کچھ ہے' روح کی غذا کہیں نہیں۔ وہ پیاسی ہے' اس لیے ہر سراب کے پیچھے بھاگتی ہے' بقول عرفی:

زنقص تشنہ لبی دان بعقل خویش مناز
دلت فریب گر از جلوۂ سراب نخورد

آج یورپ اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملکوں میں اس روحانی پیاس کا یہ حال ہے کہ جن عقائد اور فلسفوں پر مذہب کے تمسخر کا شبہ ہوتا ہے' انہیں بھی وہاں شوکت اور طاقت حاصل ہو رہی ہے۔ روحانیت کی دکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ روحانی غذا کے نام سے مسموم اور مہلک چیزیں نہایت خوبصورت پیکنگ میں آرہی ہیں۔ بھوک سے ڈرائے ہوئے انسانوں کو اتنا ہوش کہاں ہے کہ ان فلسفوں کو چھان پھٹک کر بھی دیکھیں یا انہیں عقل و استدلال کی کسوٹی پر کسیں۔

آج وہ وقت تھا کہ چشتی خانقاہوں کا جال ہندوستان سے نکل کر یورپ اور امریکہ کی سرزمین تک پھیلایا گیا ہوتا' حضرت بابا فرید گنج شکرؒ حضرت محبوب الٰہیؒ حضرت چراغ دہلیؒ حضرت گیسو درازؒ حضرت شاہ فخرالدین چشتیؒ خواجہ سلیمان تونسویؒ شاہ عبدالہادیؒ امروہی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جیسے بزرگوں کی تعلیمات کو "عملی" شکل میں روحانیت کے ان پیاسوں کے سامنے پیش کیا جاتا۔ لیکن کیسا افسوس ہے کہ اب وہ خانقاہیں سونی پڑی ہیں اور وہ چراغ بجھ چکے ہیں۔ تصوف جو سراسر زندگی تھا' جس کی زندگی کا ثبوت صوفیائے کرام کی حرکت و عمل سے ملتا تھا۔ وہ خود جمود اور تعطل کی نشانی بن چکا ہے۔ اس پر "قیم" کی چھپتی

کسی جاتی ہے اور "حقائق سے فرار" کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان مشائخ کی خانقاہوں کے وابستگان اس پر مطمئن ہیں کہ ہم "منتسبان درگاہ" ہیں اور اکرام و اجلال ہمارا حق ہے۔ عرس اور ایصال ثواب یا تعویذ اور مناجات سے زیادہ ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

حالانکہ آج کے تاریخی سیاق میں درگاہوں سے وابستہ حضرات ایسی پوزیشن میں ہیں کہ وہ ایک طرف خود مسلمانوں کی روحانی جلا اور اخلاقی سدھار میں معاون ہو سکتے ہیں اور ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں' دوسری طرف وہ غیر مسلم برادران وطن سے بہتر تعلقات استوار کرنے میں بڑا رول ادا کر سکتے ہیں' کیونکہ ماضی کی تاریخ میں جو تلخیاں ہیں' جنہیں افتراق پسند طاقتیں بڑھا چڑھا کر اچھالتی ہیں' وہ سب بادشاہوں کے کرتوت یا علماء سوء کے کارناموں سے متعلق ہیں۔ صوفیائے کرام کی انسان دوستی' رواداری' خدمت خلق اور شفقت و رافت کا اعتراف ہر دور میں غیر مسلم حضرات نے بھی کیا ہے اور وہ آج بھی ان آستانوں پر عقیدت سے حاضر ہوتے ہیں۔ حالانکہ اب ان کے صرف آثار ہی باقی رہ گئے ہیں۔ وہ جانشین جو اپنے اسلاف کے کمالات کا جیتا جاگتا نمونہ ہوا کرتے تھے اور جنہیں دیکھ کر بزرگوں کے حالات کی تصدیق حاصل ہوتی تھی' اب شاید ہی کہیں ملیں۔ انہیں آزاد اور سوختہ جاں انسانوں کی تلاش میں کل "شیخ طریقت" چراغ لیے شہر میں پھرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ انسان سے ملنے کی آرزو ہے۔

خانقاہوں کے اس چشمہ فیض کو پھر جاری کرنے کے لیے سوائے دولت احساس کے نہ کسی سرمایے اور خارجی وسائل کی پہلے ضرورت تھی' نہ آج ہے۔ اخلاص اور توکل اس وقت بھی اس کی اساس تھے' وہی آج بھی درکار ہیں۔ خدمت خلق پہلے بھی اس کا نصب العین تھا' اس کی آج بھی اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ ضرورت ہے۔ ہماری کوتاہی سے تصوف یا Mysticism اب صرف ریسرچ کا موضوع ہو کر رہ گیا ہے' جیسے یہ بھی "آثار قدیمہ" میں سے کوئی کلاسیکی چیز ہو۔ ضرورت اسے زندہ' متحرک' فعال اور موثر بنانے کی ہے۔ "فھل من مدکر" کیا کوئی ہے جو سوچے سمجھے؟

حوالہ جات:

(۱) صوفیائے کرام کے اصول تربیت پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ امام غزالی کی تصانیف کے علاوہ مرصاد العباد' کشف المحجوب اور عوارف المعارف چھٹی ساتویں صدی ہجری میں بہت مقبول تھیں۔ بعد کے زمانے میں بھی ان کتابوں کو نصاب کے طور پر پڑھایا گیا ہے۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں علی بن محمود جاندار کی مرتبہ درر نظامی' خواجہ حماد کاشانی کی احسن الاقوال اور خواجہ رکن الدین کاشانی کی شمائل الاتقیا اور رموز الواصلین خاص طور پر مطالعہ کے قابل ہیں۔

(۲) فوائد الفواد: ۱۷' سیر الاولیاء: ۳۲۱' خیر المجالس: ۲۵۳

(۳) فوائد الفواد: ۳۹' درر نظامی (باب ۲): ۳۸

(۴) ایضاً: ۳۲۱

(۵) ایضاً: ۱۵۷

(۶) فوائد الفواد: ۲۲۶' سلک السلوک ص ۲۴ (طبع ۱۳۲۹ھ)

(۷) ایضاً: ۳۲

(۸) خانقاہ کو آج بے عملوں کا مسکن سمجھا جاتا ہے' مگر حضرت چراغ دہلیؒ نے خیر المجالس میں فرمایا (ص ۲۳۸) کہ یہ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ خان تو وہی ہے جو فارسی میں خانہ ہے اور قاہ عربی زبان میں عمل اور عبادت کو کہتے ہیں۔ گویا خانقاہ کے لفظی معنی ہیں' عبادت گاہ یا دار العمل۔ سلوک کی تعلیم اس لیے ضروری ہے کہ درویشی کا مقصد "اخلاق اللہ" پیدا کرنا ہے اور اخلاق یا کسب سے حاصل ہوتا ہے یا صحبت اہل دل سے۔ خانقاہ میں رہ کر تکمیل سلوک کا جواز حضرت چراغ دہلویؒ نے اس آیتہ کریمہ سے پیش کیا ہے:

یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله وکونوا مع الصادقین۔ (التوبہ: ۱۱۹)

(۹) امام غزالی: المنقذ من الضلال

(۱۰) فوائد الفواد: ۷۴

(۱۱) ایضاً: ۳۴۵

(۱۲) بیعت اور متابعت کاملہ دونوں کی سند قرآن میں ہے:

ان الذین یبایعونک انما یبایعون الله' یدالله فوق ایدیهم فمن نکث فانما ینکث

علی نفسه ومن اوفی بما عهد علیه الله فسیوتیه اجرا عظیما۔ (الفتح: ۱۰)

اور دوسرے موقع پر ہے:

فلا و ربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لایجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (النساء: ۶۵) (ان آیات کی تفسیر کے لیے دیکھو: سبع سنا بل' ص ۴۰۔۴۲)

(۱۳) خیر المجالس: ۲۷۰

(۱۴) فوائد الفواد: ۲۴۹' سبع سنا بل: ۴۷

(۱۵) ایضاً: ۲۵۰' "از برائے اقتداء رعایت شریعت واجب است" خیر المجالس: ۲۶

(۱۶) خیر المجالس: ۲۴۲

(۱۷) فوائد الفواد: ۱۰' سیر الاولیاء: ۳۲۱

(۱۸) خیر المجالس: ۲۶۶' فوائد الفواد: ۱۰

(۱۹) فوائد الفواد: ۳۷۲' نیز دیکھیے خیر المجالس اور جوامع الکلم

(۲۰) فوائد الفواد: ۲۹۴

(۲۱) فوائد الفواد: ۳۲' درر نظامی (باب ۱۴): ۱۹' سیر الاولیاء: ۳۲۶

(۲۲) کلاہ توبہ و انابت کی علامت ہے۔ سبع سنا بل: ۴۵

(۲۳) فوائد الفواد: ۲۹

(۲۴) ایضاً: ۳۲۹

(۲۵) خیر المجالس: ۱۰۶۔ ایک موقع پر حضرت چراغ دہلویؒ نے نفس کشی کا جواز قرآن کی اس آیت سے ثابت کیا ہے۔ "فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم" جس میں قتل نفس کو توبہ بتایا گیا ہے۔ (البقرہ: ۵۴)

(۲۶) خیر المجالس: ۷۰

(۲۷) ایضاً: ۷۰

(۲۸) ایضاً: ۲۸

(۲۹) فوائد الفواد: ۲۶۴

(۳۰) فوائد الفواد: ۳۳۳' عوارف المعارف (اردو ترجمہ' نول کشور' ۱۲۹۹ھ) ص ۱۹۸ میں اسے سہل بن عبداللہ کا قول بتایا گیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو غرائب الفوائد' تصنیف: حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (متوفی ۹۴۴ھ) ص ۴

(۳۱) خیرالمجالس: ۶۸' نیز ۱۵' فوائد الفواد: ۴

(۳۲) فوائد الفواد: ۲۱۳' خیرالمجالس: ۵۹' عوارف المعارف (اردو): ۳۸

(۳۳) خیرالمجالس: ۱۷۷

(۳۴) فوائد الفواد: ۲۲۶

(۳۵) خیرالمجالس: ۲۵

(۳۶) چشتی صوفیاء کا خیال ہے کہ اعمال دو طرح کے ہیں۔ عمل بالجوارح اور عمل بالقلب۔ پہلی قسم کے اعمال حقوق العباد پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دوسری شق کے حقوق اللہ پر۔ اعمال قلبی کی نگرانی کے لیے "مراقبہ" تجویز کیا جاتا ہے۔ (خیرالمجالس: ۵۷) اس کا حاصل یہ ہے کہ خدا کو حاضر و ناظر سمجھا جائے۔ "اعبد ربک کانک تراہ وان لم تکن تراہ فانہ یراک۔" خدا کی عبادت اس طرح کرو' جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس کیفیت کو رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے "احسان" فرمایا تھا جو تصوف ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس سے مقصود قلب کی نگرانی ہے تاکہ وہ 'قلب سلیم' بن سکے' کیونکہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ یوم حساب میں 'قلب سلیم' کے سوا کچھ کام نہ آئے گا۔ "یوم لاینفع مال ولابنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔" (الشعراء: ۸۹)

(۳۷) فوائد الفواد: ۴۲۰

(۳۸) فوائد الفواد: ۲۳۹' درر نظامی: ۵۸

(۳۹) فوائد الفواد: ۴۸' درر نظامی (باب ۲۳): ۲۰۰ میں ان اشعار کو حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کا نتیجہ فکر بتایا گیا ہے۔ مگر آقائی سعید نفیسی نے ایک مضمون میں جو مجلہ دانش کدہ ادبیات' تہران میں شائع ہوا تھا' انہیں شیخ سیف الدین باخرزی کی تصنیف بتایا ہے۔

(۴۰) خیرالمجالس (ضمیمہ): ۲۸۶

(۴۱) کشف المحجوب (اردو ترجمہ): ۲۹۴

(۴۲) فوائد الفواد: ۱۶۴-۱۶۳

(۴۳) فوائد الفواد: ۴۰۳ نیز ۴۱۹ تا ۴۲۱

(۴۴) سیر الاولیاء: ۳۲۵۔ "راہ تصوف راہ صدق است۔ صدق و اخلاص می باید کرد۔" خیر المجالس: ۳۸ نیز ۱۴۱۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ صدق زیادہ ہو تو قلیل عمل بھی کافی ہے۔ کثرت نوافل سے بہتر یہ ہے کہ حضوری حاصل ہو۔ خیر المجالس: ۱۹۸ نیز درر نظامی (باب ۵): ۶۴

(۴۵) درر نظامی: ۳۶-۳۷

(۴۶) خیر المجالس: ۶۵-۶۶

(۴۷) کشف المحجوب (اردو ترجمہ): ۸۹

(۴۸) حضرت چراغ دہلوی ؒ نے فرمایا: در ہر کارے کہ ہستی می باش۔ فرمان دہی و شغل دنیا می کن۔ امامی باید کہ زبان تو یک زمان از ذکر خدائے تعالیٰ خالی نباشد---" (خیر المجالس: ۴۲) اس سلسلے میں حضرت چراغ دہلوی ؒ نے شیخ ابو سعید ابوالخیر کی امارت کا قصہ سنایا جن کے خیمے میں سونے کی میخیں دیکھ کر کسی نے اعتراض کیا تو انہوں نے کہا تھا کہ "میخ ہائے زریں در دل نہ زدہ ایم در گل زدہ ایم۔" (خیر المجالس: ۲۱۳)

(۴۹) زراعت اور تجارت کو بہترین کسب فرمایا ہے (خیر المجالس: ۲۷۷) اور نوکری کے لیے بھی یہ حکم ہے کہ "چاکری حجاب نیست" (خیر المجالس: ۲۴۳)

(۵۰) فوائد الفواد ۲ نیز ۲۲-۲۱ حضرت نظام الدین ؒ کو نصف تنکہ (اس عہد کا سکہ) بھی اپنے پاس ایک رات رکھنا ناگوار ہوتا تھا اور فرماتے تھے کہ یا اللہ کب صبح ہو گی جو میں اسے خرچ کروں۔ (فوائد الفواد: ۸۳)

(۵۱) فوائد الفواد ۳۲۰

(۵۲) خیر المجالس: ۲۵۲

(۵۳) فوائد الفواد: ۲۲۴، سلک السلوک: ۱۹

(۵۴) خیر المجالس: ۱۸۸

(۵۵) ایضاً: ۸۴

(۵۶) فوائد الفواد: ۴۲۷

(۵۷) ایضاً: ۳۱۸

(۵۸) تعلق بکسب مانع توکل نیست۔ خیرالمجالس: ۵۴

(۵۹) فوائد الفواد: ۳۱۹

(۶۰) چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ اگر نہ دنیا خواستہ و نہ حور و قصور خواستہ۔ چہ خواستہ؟ لقائے ذات پاک حق تعالیٰ خواستہ فردا در مشاہدات حضرت عزت باشد۔ (خیرالمجالس: ۳۴)۔ اور فرمایا کہ "اول مجاہدہ بعد ازاں مشاہدہ۔" (خیرالمجالس: ۱۵۰) اگر مطلوب کی قدر معلوم ہو تو سخت سے سخت مجاہدہ بھی آسان نظر آتا ہے۔ (خیرالمجالس: ۱۵۳)

(۶۱) فوائد الفواد: ۲۰

(۶۲) خیرالمجالس: ۲۵۸

(۶۳) فوائد الفواد: ۳۴۰

(۶۴) فوائد الفواد: ۱۴' خیرالمجالس: ۶۱' نیز ۲۲۸' نیز ۲۵۵

(۶۵) فوائد الفواد: ۴۰۲

(۶۶) خیرالمجالس: ۲۵۳

(۶۷) فوائد الفواد: ۱۷۸' درر نظامی (اردو ترجمہ): ۹۲

(۶۸) حضرت محبوب الٰہیؒ پر ایک بار حج و زیارت کا اشتیاق غالب ہوا تو آپ اجودھن پہنچ گئے اور مزار شیخ کا طواف کیا۔ فرماتے ہیں کہ زیارت شیخ سے حج کی نعمت حاصل ہوئی مع شی زائد۔ فوائد الفواد: ۲۶۳۔ حج کے بارے میں چشتی صوفیا کا مسلک ایک حکایت میں بھی بیان ہوا ہے۔ (خیرالمجالس: ۲۱۵)

(۶۹) حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ کا حال ان کے خلیفہ حضرت نصیرالدین چراغ دہلیؒ نے یوں بیان کیا: "از پگاہ تا شام خلق بیامدے۔ نماز خفتن ہم خلق برسیدے۔ اما خواہندہ بیش ازاں بود کہ آرندہ و ہر کہ چیزے بیاور دے چیزے یافتے۔" یعنی صبح سے شام تک خلق خدا آتی رہتی تھی۔ عشا کی نماز کے وقت بھی سلسلہ جاری رہتا تھا مگر مانگنے والوں کی تعداد' نذر دینے والوں سے زیادہ ہی ہوتی تھی۔ جو کوئی چیز نذر لاتا تھا' وہ کچھ نہ کچھ عطیہ بھی پاتا تھا۔ (خیرالمجالس: ۲۵۷) حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خانقاہ کے دروازے بھی نصف شب تک کھلے رہتے تھے اور "ہیچ کس بخدمت ایشان نیامدے کہ اورا چیزے نصیب نہ کردے۔" (فوائد الفواد: ۳۵) اور فرماتے تھے کہ "ہر کہ بر من می آید چیزے می آرد۔ اگر مسکینے بیاید و چیزے نیارد ہر آینہ مراچیزے بد و باید داد۔" (فوائد الفواد: ۳۳۶)

(۷۰) درر نظامی (باب ۱۸): ص ۱۶۴

(۷۱) خیرالمجالس: ۷۵

(۷۲) خیرالمجالس: ۱۰۵' نیز دیکھو درر نظامی (باب ۱۷): ص ۱۶۲

(۷۳) سیرالاولیاء

(۷۴) جوامع الکلم (قلمی): ۷۸ الف

(۷۵) جوامع الکلم فارسی (قلمی) ورق ۷۸ ب

(۷۶) ہر کہ از معصیت بازمی آید او را در طاعت ذوق باشد و در ذوق طاعت۔ خیرالمجالس: ۱۵۸

(۷۷) سیرالاولیاء: ۳۲۲ و ۳۲۸

(۷۸) ایضاً: ۳۲۵

(۷۹) ایضاً: ۳۲۹

(۸۰) درر نظامی (باب ۴): ۵۶

(۸۱) فوائد الفواد: ۳۷' سیرالاولیاء: ۳۲۹' درر نظامی (باب ۴): ۵۷

(۸۲) فوائد الفواد: ۲۵۴' درر نظامی: ۵۷

(۸۳) سیرالاولیاء: ۳۲۸' نیز سبع سنابل: ۴۴

(۸۴) خیرالمجالس: ۲۲۵

(۸۵) فوائد الفواد: ۳۴۶

(۸۶) ایضاً: ۳۶' نیز ۲۲۹

(۸۷) فوائد الفواد: ۲۲۹

(۸۸) ایضاً: ۶۶

(۸۹) ایضاً: ۴۰

(۹۰) ایضاً: ۲۰۸' درر نظامی (باب ۵): ۶۳

(۹۱) ایضاً: ۳۳۷

(۹۲) ایضاً: ۶۵

(۹۳) ایضاً: ۳۵۶

(۹۴) ایضاً: ۶۳

(۹۵) ایضاً: ۳۰

(۹۶) ایضاً: ۲۳۳

(۹۷) فوائد لفواد: ۲۹۴

(۹۸) ایضاً: ۹۰-۹۱

(۹۹) ایضاً: ۱۷۵-۱۷۶

(۱۰۰) احسن الاقوال (قلمی) ملفوظات حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ (متوفی ۷۳۶ھ)

(۱۰۱) فوائد لفواد: ۱۷۰

(۱۰۲) ایضاً: ۱۷۱

(۱۰۳) ایضاً: ۶۷' خیر المجالس: ۱۴۳

(۱۰۴) ایضاً: ۱۶۲' درر نظامی (باب ۳۳): ۱۰۹

(۱۰۵) ایضاً: ۸۲

(۱۰۶) فوائد لفواد: ۸۲

(۱۰۷) ایضاً: ۱۶۴' "محبت این مردار دنیا اصلا در دل نباشد و ہر چہ برسد در راہ حق بدہند۔" خیر المجالس: ۹۰

(۱۰۸) فوائد لفواد: ۳۳۷-۳۳۸

(۱۰۹) ایضاً: ۳۳۸

(۱۱۰) ایضاً: ۳۵۸' سیر الاولیاء: ۹

(۱۱۱) حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا: ہر نورے کہ موافق احکام شرع نیست آں ظلمت است (فوائد لفواد: ۴۰۰) اور حضرت چراغ دہلیؒ کا قول ہے کہ حکم شرع کے سامنے مسلک پیر کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ (خیر المجالس)

(۱۱۲) فوائد لفواد: ۳۰۶

(۱۱۳) ایضاً: ۲۴۱-۲۴۳' درر نظامی (باب ۲۱): ۱۸۶-۱۸۷' سیر العارفین (اردو ترجمہ): ۴۲-۴۳

(۱۱۴) خیر المجالس: ۴۶ نیز ۱۷۱

(۱۱۵) فوائد لفواد: ۲۴۳

☆☆☆